ڈاکٹر صباحت مشتاق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

فرانسیسی ناول ناناں اور امراؤ جان ادا کا تنقیدی تقابل

Emile Zola (France) and Mirza Hadi Ruswa (Subcontinent) were famous contemporary novelists. They both have so many cultural and social similarities. Nana by Zola and Umrao Jan Ada by Ruswa are two acclaimed novels. Liberal and colorful society of France and Lukhnow is the main theme of these novels. Specially so called moral values and double standards of the society are beautifully reflected. They potray the true picture of male chauvinism and male psyche. We can say that these novels are good psychoanalysis of that era. This article shows how Zola and Ruswa have depicted the downfall of moral values and double standards of the civilized society of France and Lukhnow through their characters.

نو آبادیاتی حکمرانوں کے زیرِ نگین برصغیر کی تہذیب و ثقافت اور زبان کے بارے میں یہ تاثر قائم کر دیا گیا تھا کہ ہندوستان کی کوئی زبان اور تہذیب ایسی نہیں جو انھیں مہذب ثابت کر سکے لہٰذا بہت سی چیزوں میں انجذاب و اشتراک ہی انھیں پس ماندگی سے بچا سکتا ہے خصوصاً فکری اور لسانی اشتراک۔ برصغیر کی مقامی زبانوں کو وہ ادھورا اور غیر مہذب لہجہ قرار دیتے تھے سو برصغیر کو تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اعتبار سے مہذب بنانے کے لیے ان کے پاس ملتے جلتے بہت سے دلائل تھے خصوصاً تہذیب اور زبان کے حوالے سے۔ اگر لسانی اور تہذیبی اعتبار سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہا انھوں نے ہماری زمین میں اپنی تہذیبی روایات اور زبان کاشت کرنے کی کوشش کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان کے خطے جو میں جو قدیم تہذیبوں کا منبع کہا جاتا ہے کوئی ایسی تہذیب اور مضبوط زبان نہ تھی جو عالمی سطح پر نہ صرف اپنے آپ کو منوا سکے اور علمی و ادبی اظہار کا وسیلہ بن سکے۔ اس قیاس یا واہمے کو جو نو آبادکار وں نے برصغیر کی قوم کے دل و دماغ میں یقین بنا کر بٹھا دیا تھا کا نتیجہ یا جواب تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ نو آبادیاتی عہد اور اس سے پہلے کا جو علمی خصوصاً ادبی سرمایا ہے اس کی قدر و قیمت کا درست تعین ہو سکے اور نو

آبادیاتی عہد میں تخلیق ہونے والا ادب بیسویں صدی کی ادبی دنیا میں دوسرے خطوں اور ممالک کے فکری اثرات، فنی تکنیک اور تہذیبی اثرات سے متاثر ہونا بڑی فراخ دلی سے قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک مثبت رویہ ہے، اور ہمیں یہ قبول کرنے میں بھی قطعاً کوئی عار نہیں کہ ہماری جدید ادبی اصناف مغرب سے متاثر ہیں۔ تکنیکی اور ہئیتی اعتبار سے اردو ادب نے مغربی اثرات کو قبول کیا اور ہر سطح پر کیا لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم فکری، تہذیبی اور لسانی سطح پر بانجھ ہیں۔ ہم اگر جدیدیت اور عالمگیریت کے اثرات کے حامل ادب کو چھوڑ کر صرف قبل از نو آبادیات اور نو آبادیاتی عہد کے ادب کو ہی دیکھیں تو ہمیں اپنی تہذیبی، لسانی اور فکری ثروتمندی کا احساس ہوتا ہے۔ اپنی اس دلیل کو میں مستند حوالوں سے ثابت کرنے کے لیے رسوا کے ناول "امراؤ جان ادا" اور امیل زولا کے ناول "ناناں" کا تقابلی جائزہ پیش کروں گی جو ایک ہی عہد میں دو مختلف ملکوں اور مختلف تہذیبوں میں لکھے گئے۔

امیل زولا (1902۔1840) کا شمار فرانس کے چوٹی کے ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا حوالہ بطور ادیب ایک حقیقت نگار کا ہے۔ اپنے موضوعات کے انتخابات، بے رحم حقیقت نگاری اور سادہ لیکن جزئیات سے بھرپور اسلوب نے اسے فرانسیسی ادب کے سرخیلوں میں شامل کر دیا۔

مرزا ہادی رسوا (1931۔1858) لکھنو میں پیدا ہوئے۔ رسوا فلسفہ، طب، منطق، ریاضی، مذہبیات، کیمیا گری، علم نجوم، شاعری اور موسیقی میں دسترس رکھتے تھے۔ اردو شارٹ ہینڈ کی بورڈ انھیں کی ایجاد ہے۔ متعدد کتب کے مترجم تھے۔ اور قدیم و جدید فلسفے کے تقابلی مطالعے پر ایک مبسوط تصنیف پر انھیں ایک امریکی یونی ورسٹی نے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری دی۔

امیل زولا اور رسوا ہم عصر کہے جا سکتے ہیں اور دونوں کے زیر بحث ناول بھی بہت سے حوالوں کے اعتبار سے مماثلت رکھتے ہیں۔ فنی اعتبار سے ناول کی جو تعریف کی جاتی ہے کہ یہ ایک عہد کی جیتی جاگتی ہو بہو تصویر ہوتی ہے جس میں اس عہد کے تمام کے تمام روپ دیکھے جا سکتے ہیں۔ "ناناں" اور "امراؤ جان ادا" دونوں ایک ایسا آئینہ ہیں جس میں دو مختلف تہذیبیں اپنی تمام تر سماجی اور نفسیاتی باریکیوں کے ساتھ ہمارے روبرو ہوتی ہیں۔ "ناناں" پیرس کی ایک خوبرو طوائف کا فرضی قصہ ہے جبکہ "امراؤ جان ادا" لکھنو کی ایک طرح دار طوائف کی کہانی ہے۔ دونوں کرداری ناول ہیں لیکن رسوا اتنی مہارت سے واقعات کو پیش کیا ہے کہ اس پر صداقت کا گمان ہونے لگتا ہے اور وہ "امراؤ جان ادا" کو فرضی کردار ماننے سے سے انکاری نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اپنے ایک مضمون میں "

امراؤ جان ادا" کے بارے میں سہیل بخاری کی رائے کو رقمطراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"امراؤ جان ادا" ایک طوائف کی آپ بیتی کے رنگ میں چکلے کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔اور رنڈی اور رنڈی پنے کے متعلق جملہ معلومات فراہم کرتی ہے"۱

لیکن اگر یہ فرضی قصہ ہے تو یہ رسوا کے فن کا کمال ہے کہ اس نے اسے زولا کے کردار "ناناں" سے کہیں بڑا اور زندہ اور جاوید بنا دیا۔

دونوں ناولوں کے مرکزی کردار "ناناں" اور "امراؤ جان ادا" حادثاتی طور پر اس پیشے سے وابستہ ہوئے۔

اگر دونوں ناولوں میں تہذیبوں کا تقابل کیا جائے تو زولا نے مغرب کے ایک ایسے مادر پدر آزاد معاشرے کا مرقع پیش کیا ہے جو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہے۔

فرانس اپنی ازاد طبع، عیاشی اور رنگین طرز زندگی کی وجہ سے دنیا بھر میں اپنی شناخت رکھتا ہے۔ جہاں مذہبی اور اخلاقی اقدار معنی نہیں رکھتیں۔ ہم جنس پرستی کے علاوہ سال ہا سال جنس مخالف سے کسی جائز تعلق (شادی) کے بغیر جنسی تعلقات معاشرے کا عمومی رجحان ہے۔

کچھ ایسا ہی مرقع رسوا نے لکھنو کی تہذیبی زندگی کو پیش کیا ہے۔ مغرب میں فرانس کی سی شناخت کا حامل برصغیر کا لکھنو اپنی طرز زندگی اور مخصوص نشاطیہ پہلو کی وجہ سے شہرت کا حامل رہا ہے۔ لکھنو کی تہذیب میں بالا خانے اور طوائف کو تہذیبی ادارے کی حیثیت حاصل تھی اور یہ ادارے نوابین اور امرا کی سرپرستی کے حامل تھے لیکن اس کے باوجود لکھنو میں تہذیبی اقدار کا وجود تھا۔ مذہبی حدود اور اخلاقی پابندیوں کی پاسداری بھی تھی۔

زولا کا عہد فرانس کا زوال پذیر عہد ہے جہاں اخلاقی اقدار کا شیرازہ بکھرتا نظر آتا ہے۔ پورا معاشرہ مادہ پرستی اور دولت کے حصول کا شکار نظر آتا ہے۔ "ناناں" میں ایسے طبقے کی نشاندہی کی گئی ہے جو اپنی عیاشی اور ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ گویا معاشرہ دوہرے رویوں کا شکار ہے۔ رسوا کے عہد میں بھی لکھنو اخلاقی اقدار کے زوال کا شکار تھا۔ تخت کے نظام کا خاتمہ، طوائف کا کلچر مضبوط ہونا، لکھنو کے زوال کے اسباب میں شامل تھا۔ گویا دونوں ناولوں کا موضوع معاشرے کا کھوکھلا پن اور دوہرے رویے ہیں۔ دونوں مصنفین نے اشرافیہ کی اقدار اور تضاد کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا مقصد طوائف کے گھناؤنے کردار نقاب کشائی یا اس کی بے وفائی ثابت کرنا نہیں تھا اور نہ ہی اس کے خلاف نفرت کے جذبات کو ابھارنا انیسویں صدی کے نصف آخر میں اور بیسویں صدی

کے شروع میں معاشرے کے اجتماعی رویے اور منافقت کا من وعن بیان ہے۔اشرافیہ جو معاشرے میں اقدار کی امین اور روایات کی پاسدار سمجھی جاتی ہے مگر حقیقتاً اخلاقیات سے عاری ہے۔مثلاً یہ اقتباس دیکھیے۔

خان صاحب: اس میں زبردستی کیا۔رنڈی کے مکان پر کسی کا اجارہ نہیں اور اگر زبردستی ہے تو زبردستی ہی سہی ہم تو نہیں اٹھنے کے "بوا حسینی: اجارہ کیوں نہیں جو زر خرچے گا رنڈی اسی کی ہے۔۲

سنیئے مرزا صاحب! اس زمانے کا فیشن یہی تھا۔کوئی امیر رئیس ایسا بھی ہوگا۔

جس کے پاس رنڈی نہ ہو۔نواب صاحب کی سرکار میں جہاں اور سامان شان وشوکت کے تھے وہاں سلامتی منانے کے لیے جلوسیوں میں ایک رنڈی کا بھی اسم تھا۔"۳

لوگ طوائف کو اپنی جاگیر اور ملکیت سمجھتے تھے اور اس سے تعلق باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔مگر رنڈی رنڈی ہی رہتی چاہے وہ کتنی ہی طرح دار کیوں نہ ہو ہر طرح کا تعلق ہونے کے باوجود اسے قابل عزت نہیں سمجھا جاتا۔"ناناں" میں بھی کچھ ایسے ہی متضاد رویوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔مثلاً جارج، کاؤنٹ اور مارکوئس رات کے اندھیرے میں ناناں سے تعلق استوار کرتے ہیں مگر دن کے اجالے اور عام معاشرتی زندگی میں اس سے کسی بھی قسم کی وابستگی اور حوالے سے گریزاں نظر آتے ہیں بلکہ اگر کبھی آمنا سامنا ہو جائے اور وہ بھی اتفاق سے تو اسے بھی وہ اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔یورپ جیسے آزاد اور روشن خیال معاشرے میں بھی عورت کے بارے میں یہی تصور نظر آتا ہے۔مرد کو خوش رکھنا اور اس کا خیال کرنا عورت کی تخلیق کا مقصد ہے۔عورتوں کو خدا نے اسی لیے بنایا ہے۔

ناول" ناناں" کا ایک کردار جو پیشے کے اعتبار سے صحافی ہے۔اس سے دوستی بھی رکھتا ہے۔اس کے فن کا دل دادہ بھی ہے لیکن پورے دل سے یہ یقین بھی رکھتا ہے کہ وہ اخلاق باختہ ہے۔

"جب فوشری کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ پکار اٹھا یہ ایک بازاری عورت ہے۔لہٰذا قابل التفات نہیں۔۔۔ فوشری اور ہیکٹر نے اپنے گلاس خالی کیے اور تھیٹر کی طرف واپس چل دیے۔۔۔ جب مینیون شٹائنر کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو اس نے اپنی کہنیاں میز پر رکھیں اور اس کے نزدیک ہو کر کہنے لگا۔اگر اسے ملاقات چاہتے ہو تو ہمیں اس کے گھر چلنا ہوگا۔میں تمھارا تعارف اس سے کرادوں گا مگر یہ بات صرف ہمارے درمیان پوشیدہ رہے۔۴

" کھیل کے دوران میں تو ذات شریف خوب نہیں رہے تھے اور محظوظ ہو رہے تھے مگر اب بڑی سختی سے

تنقید کر رہے ہیں اور ذوق سلیم اور اخلاق حسنہ پر وعظ فرما رہے ہیں"۔۵

فوشری اپنے آرٹیکل میں بھی ناناں کو زہریلی مکھی قرار دیتا ہے جو غلاظت کے ڈھیر کی پیداوار ہے اور شرفا کے محلات اور گھروں میں گھس کر، ڈنک مار کر اپنا زہر پھیلاتی ہے اور اپنی غلاظت سے معاشرے کو زہر آلود اور ناپاک کرتی ہے۔ یہاں زولا فرانس کے معاشرے کا دوہرا رویہ سامنے لاتا ہے کیونکہ "زہریلی مکھی" ناناں خود کسی کے پاس نہیں جاتی بلکہ لوگ خود اس کے پاس آتے ہیں اور ناناں یہ سب کرنے پر مجبور بھی ہے کہ اسے اپنے بچے کی بیماری اور پرورش کا خیال ہر لمحہ بے چین رکھتا ہے۔

"اتنے میں ایک سن رسیدہ عورت اندر داخل ہوئی۔۔۔وہ ناناں کے پاس چند لمحے ٹھہری اور درج ذیل باتیں کیں۔ "تمھارے لیے میرے پاس آج ایک شخص ہے۔ کیا تمھیں درکار ہے؟

ہاں! کس قدر رقم دے گا؟

بیس اشرفی

کتنے بجے؟

تین بجے۔ تو کیا بات پکی ہے۔

ہاں پکی ہے۔۔۔ مادام تریکون کے رخصت ہونے کے بعد جب ناناں اکیلی رہ گئی تو اس کے چہرے پر بشاشت کے آثار ہویدا تھیا ور وہ مطمئن نظر آرہی تھی۔۔۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ وہ اس خیال سے مسکرا رہی تھی کہ وہ کل اپنے ننھے لوئی کو خوبصورت کپڑے پہنا سکے گی۔"۶

دونوں ناول موضوع کے اعتبار سے مردانہ ذہنیت کے عکاس کہے جا سکتے ہیں مردوں کے سماج میں عورت کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔ اس سے ہونے والی غلطی تمام عمر ایک سزا کے طور پر اس کی زندگی میں شامل رہتی ہے۔ مثلاً امراؤ کے اغوا ہونے میں اس کا اپنا کوئی قصور نہ تھا۔ اغوا سے کوٹھے تک کا سفر صرف ایک حادثہ یا اس کی تقدیر کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ لیکن جب وہ مجرے کے لیے اپنے آبائی گھر بلائی جاتی ہے تو پہچاننے کے باوجود اس کے اہل خانہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور اس کی ماں چاہتے ہوئے بھی ایک مرد (بیٹے) کے سامنے ہار مان لیتی ہے۔ لیکن اسی ناول میں کئی کردار ایسے ہیں جو اپنی بیویوں کی موجودگی میں ایک طوائف کو بطور رکھیل رکھنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔

اگر تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو رسوا نے انسانی نفسیات بلکہ مردانہ نفسیات کو بڑی باریک بینی سے بیان کیا ہے۔ سماجی رویوں کے اظہار اور بیان میں وہ ہمیں زولا سے آگے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے کرداروں کی نفسیات، اعمال، ردعمل سے جو کہانی بنی۔ اس سے کرداروں کے ساتھ ساتھ معاشرے کا باطن بھی کھل کر سامنے آ گیا۔ دونوں ناولوں میں یہ بات واضح ہے کہ عورت سے حظ اٹھانے والا بھی مرد ہے اور مشکل وقت میں اسے دھتکارنے اور اس کی تذلیل کرنے والا بھی مرد ہی ہے۔ زولا نے نے فرانس جیسے آزاد معاشرے میں جہاں سب کی سوچ، رویے، کاروبار اور مفادات یکساں ہیں۔ طوائف کو علامت بنا کر اس کا عبرتناک انجام دکھایا ہے۔ اور یہیں ہمیں مرد کا وہ چہرہ بھی نظر آتا ہے جو "لبرل" ہونے کے باوجود ناناں جیسی عورتوں کو قبول نہیں کرتا۔ معاشرے کے امرا و شرفا ان سے محبت کے کتنے ہی دعوے کیوں نہ کریں مگر ان کی زندگیوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی اور نہ ہی دل میں عزت۔

پلاٹ کے اعتبار سے دونوں ناول اکہرے پلاٹ کے حامل ہیں۔ چوں کہ دونوں کرداری ناولوں کے زمرے میں آتے ہیں اس لیے ایک ہی کردار کی زندگی کے گرد واقعات کا تانا بانا بنا گیا ہے۔ فنی طور پر دونوں ناولوں کا پلاٹ مربوط ہے۔ اگرچہ "امراؤ جان ادا" میں کئی ضمنی قصے ساتھ چلتے ہیں مگر واقعات کی جڑت کہیں جھول پیدا نہیں ہونے دیتی۔

زولا کے ناول کا مرکزی کردار ناناں ہے جبکہ رسوا کے ناول میں امراؤ جان ادا کو مرکزی کردار کے طور پر لیا گیا ہے۔ یہ دونوں پیشہ ور طوائفیں نہیں تھیں۔ ناناں ایک غریب لڑکی اور ایک بچے کی ماں تھی جسے اتفاقاً تھیٹر میں اداکاری کا موقع ملا۔ اور پھر اپنی بھرپور جوانی اور حسن کے بل بوتے پر اس نے شہرت حاصل کی۔۔ بعد میں اپنی اور اپنے بیٹے کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے اور قرض سے نجات کے لیے وہ یہ پیشہ اپناتی ہے اس نے یہ پیشہ مجبوراً مگر اپنی مرضی سے اپنایا۔ امراؤ بھی خاندانی طوائف نہ تھی بلکہ ایک حادثے کے نتیجے میں وہ خانم کے کوٹھے پر جا پہنچتی ہے اور یوں امیرن سے امراؤ بن جاتی ہے۔

"ناناں" اور "امراؤ جان ادا" دونوں کے کردار پہلو دار ہیں اور بعض اوقات ان میں تضاد بھی نظر آتا ہے۔ ابتدا میں ناناں اس پیشے سے بیزار نظر آتی ہے اسے مردوں سے نفرت ہے جس کا اظہار وہ انھیں فحش گالیاں دے کر کرتی ہے۔ وہ برملا کہتی ہے کہ مردوں کا کام فقط لطف اٹھانا ہے جبکہ وہ خود اس کام کو مصیبت قرار دیتی ہے۔

"تمھارا کیا خیال ہے کہ میں عیش منا رہی تھی۔ قصہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ غصے کے مارے میں ابل رہی تھی۔"۷

لیکن بعد میں ناناں کو پرتعیش زندگی کی ایسی لت پڑی کہ اس کے لیے اس پیشے سے کنارہ کشی محال تھا۔ لوگوں کے سمجھانے پر بھی اس نے اپنی روش بدلنے سے معذوری ظاہر کر دی اور اپنے بیٹے لوئی سے بھی بے پرواہ ہوگئی وہ اپنے عیش و آرام اور کاروبار میں خلل برداشت نہ کرتی تھی۔ جنس مخالف سے تعلق استوار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ نسائی ہم جنسیت سے بھی تلذذ حاصل کرنے لگی اور ناول کی ایک کردار "ساتین" کے ساتھ بھی اس کا جنسی تعلق رہا۔

امراؤ کے کردار میں موجود تضاد کی نوعیت قدرے مختلف ہے چوں کہ وہ خاندانی یا پیدائشی طوائف نہیں اس لیے وہ بار بار تذبذب کا شکار نظر آتی ہے۔ پہلے پہل طوائف کہلانے پر اسے شرمندگی ہوتی تھی۔ مگر بعد میں وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے حادثے کا شکار ہو جانے پر بھی ملول نہ تھی بلکہ اس حادثے کا تمسخر اڑاتی ہے۔ خانم کو دھوکہ دیتی ہے۔ بالا خانے سے بھاگ جاتی ہے۔ وہ تمام عمر نہ ایک گھریلو عورت بن سکی، نہ ہی ایک مکمل طوائف۔ مگر جب ان دونوں کرداروں پر عروج کا وقت آیا تو وہ ایسے طاقتور کردار کے روپ میں سامنے آتی ہیں جو پورے معاشرے بالخصوص اشرافیہ کو کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشاروں پر نچاتی ہیں۔ ناناں لالچی اور شاطر روپ میں سامنے آتی ہے۔ جو اپنی مرضی کے گاہک کو اپنی مرضی سے استعمال کرتی ہے اور اسے خوب لوٹتی ہے۔ اس کی بدولت بہت سے شرفا فوکارمون ،شفائنز، ہیکٹر، کاؤنٹ سب دیوالیہ ہوگئے اور جارج جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

"ایسے معلوم ہوتا تھا گویا روپیہ لٹانے اور اپنے عشاق کو تباہ کرنے میں اس ایک خاص مزا آتا تھا اور ان کی اس بربادی پر فخر محسوس کرتی تھی۔"۸

اس کی عشرت گاہ کیا تھی ایک جلتی ہوئی بھٹی تھی جس کو ناناں کی خواہش نفسانی سے ہوا ملتی تھی اور جس میں اس کے دوست آشناؤں کا زر و مال ان کے دیکھتے دیکھتے بھسم ہو رہا تھا۔"۹

دوسری طرف امراؤ کے کردار کو دیکھیں تو اس نے بھی اپنی بازی خوب جم کر کھیلی۔ وہ اپنی مرضی کے لوگوں کو کوٹھے پر بلاتی ہے۔ کبھی نواب کبھی فیضو کبھی گوہر مرزا۔ وہ ان سب کی صحبت سے فیضیاب ہوتی ہے اور بالآخر ایک دن خانم کو دھوکہ دے کر بھاگ جاتی ہے۔

دونوں کرداروں میں ایک مشترک پہلو رقابت کا بھی ہے جو عمر کے خاص حصے میں وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے

محسوس کرتی ہیں۔ ناناں اپنی ساتھی اداکاراؤں خصوصاً روز سے ایک خاص حسد محسوس کرتی ہے۔ ایسے ہی حسد اور رشک کے جذبات امراؤ جان ادا میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں جب خانم امراؤ کو باقی لڑکیوں سے الگ تھلگ رکھتی ہے تو وہ کبھی رشک میں مبتلا ہوتی اور کبھی حسد کا شکار ہو جاتی۔

"اپنی ہم جولیوں کو دیکھ دیکھ کر پکی جاتی تھی۔کھانا پینا حرام ہو گیا تھا۔ راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ اسی زمانے میں پھر کنگھی چوٹی کا شوق ہوا۔ کنگھی کرتے وقت اور بھی صدمہ ہوتا تھا کہ کوئی چوٹی گوندھنے والا نہ تھا۔ جب بسم اللہ کی چوٹی جب نواب چھپن صاحب اپنے ہاتھوں سے گوندھتے تھے میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔۱۰

امراؤ اپنی بوسیدہ کوٹھڑی کا دوسری لڑکیوں کے سجے ہوئے کمروں سے موازنہ کرتی اور کڑھتی۔ ناناں اور امراؤ دونوں کی یہ خواہش تھی کہ ہر نظر صرف ان کی طرف اٹھے۔ ہر چاہنے والا صرف ان کو چاہے اور ہر مرنے والا صرف ان پر مرے۔ یہی عوامل ناناں اور امراؤ کو اپنا حسن اور جسم بیچنے پر مائل کرتے ہیں۔

زولا اور رسوا دونوں نے کرداروں کے باطن میں جھانک کر ان کی نفسیات پر روشنی ڈالی ہے۔ یوں مردانہ اور نسوانی کرداروں کی نفسیات کھل کر سامنے آتی ہے۔ دونوں ناولوں میں مردانہ ذہنیت اور ان کے کھوکھلے رویوں کا ذکر موضوع کی ذیل میں کیا گیا ہے۔ دونوں ناولوں میں نسوانی کردار انسانیت اور ہمدردانہ جذبات کے حامل نظر آتے ہیں۔ ناناں کو اگر بحیثیت عورت دیکھیں تو وہ مامتا کے جذبے سے سرشار ہے۔ جارج اور کاؤنٹ سے ہمدردی رکھتی ہے۔ وعدہ وفا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ زندگی کے ابتدائی ایام میں تہی دست ہونے کے باوجود چندہ دیتی ہے۔ اپنی ساتھی ساتین کو گندگی سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ طوائف ہوتے ہوئے شہرت اور دولت کے باوجود فونتان کی بدسلوکی اور مار پیٹ برداشت کرتی ہے کیونکہ وہ اسے محبت کرتی ہے۔ وہ ریاکار نہ تھی اس کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ شرفا کے طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے طوائفوں والے طور اطوار پر اسے حیرت ہوتی۔ دوسری طرف اگر رسوا کے ناول امراؤ جان ادا کے کرداروں پر نگاہ ڈالیں تو وہ بھی مردانہ کرداروں سے زیادہ متحرک اور انسانی ہمدردی سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ خانم کا کردار ہو، حسینی بوا، رام دئی یا امراؤ کا کردار ہو یہ سارے کردار انسانیت کے قریب ہیں۔ خانم امراؤ کو اس وقت معمولی شکل وصورت کے باوجود انسانی ہمدردی میں خرید لیتی ہے اور پھر اس کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے کہ وہ پیدائشی طوائف نہیں اس کی تربیت اور حفاظت دوسری لڑکیوں سے مختلف کرتی ہے۔ اس کے ذوق کو مدنظر

رکھتی ہے اور اسے اپنے بالا خانے میں "عام" نہیں ہونے دیتی۔ اسی طرح رام دئی کو خریدنے والی نواب صاحب کی بیگم یا رام دئی یہ تمام نسوانی کردار مردانہ کرداروں سے زیادہ کشادہ دل نظر آتے ہیں۔ اور تمام نسوانی کردار حسد و رقابت کے باوجود ایک دوسرے پر کی گئی کسی چھوٹی سی مہربانی کے بھی مقروض نظر آتے ہیں اور وہ قرض اتارنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ امراؤ کا کردار ایک پہلو دار کردار ہے۔ جس کی فطرت میں تضاد ہے، وہ شاطر ہے۔ خانم کو دھوکا بھی دیتی ہے لیکن رام دئی اور ماں سے ملاقات کے موقع پر قابل رحم نظر آتی ہے۔ دونوں ناولوں میں تمام تر سماجی اور تہذیبی فرق کے باوجود عورت کو پہلے عورت دکھایا گیا ہے۔ بعد میں وہ اس روپ اور کرداروں میں نظر آتی ہے جو اسے معاشرے کی دین ہیں۔ ناناں آخر میں جب ایک جان لیوا بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ تو اس کی آنکھوں میں کھٹکنے والی اس کی آخری وقت تک اس کی تیمارداری کرتی ہے۔ مادام لیرا (ناناں کی چچی) کا پورے ناول میں ہمدردانہ رویہ سامنے آتا ہے۔ دوسری طرف خانم ہمیشہ امراؤ کے لیے ایک ڈھال کی صورت رہی۔ اس کی تمام تر بے ایمانیوں کے باوجود اس کے لیے کشادہ دل رہتی ہے۔ امراؤ اپنی سہیلی کو نواب کے ساتھ اچھی ازدواجی زندگی بسر کرتا دیکھ کر خاموشی سے ان کی زندگی سے نکل جاتی ہے۔ ناناں اور امراؤ دونوں مکمل عورت کے کردار میں نظر آتی ہیں دونوں کے اندر اچھی زندگی گزارنے کی خواہش موجود ہے۔ یوں دونوں ناولوں میں نسوانی کردار مرد کرداروں سے بہتر نظر آتے ہیں جبکہ مرد صرف مرد نظر آتا ہے۔ ناناں اور امراؤ دونوں میں خیر اور شر یعنی نیکی اور بدی ایک زیریں لہر کی طرح چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اگرچہ ناول پڑھتے ہوئے خیر اور شر کے بجائے قاری پر کبھی رحم اور کبھی نفرت کے جذبات غالب آتے ہیں۔ لیکن اختتام بڑا روایتی ہے کہ "برائی کا انجام برا"۔ ناناں نے جس حسن کے بل بوتے پر نازاں رہتے ہوئے عیش کی زندگی بسر کی۔ آخر میں وہی حسن اس کے زوال اور موت کا باعث بنا وہ چیچک جیسی مہلک اور تکلیف دہ بیماری کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی۔ امراؤ بھی آخر تائب ہو کر مذہب میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ نماز، روزہ، زیارات اور آخر میں گمنامی کی زندگی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

تکنیک کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو دونوں کے ہاں ایک چیز مشترک ہے کہ دونوں نے "طوائف" کے کردار کو منتخب کر کے معاشرتی رویوں اور اشرافیہ کے چہروں کو بے نقاب کیا اور معاشرتی تضاد کو اجاگر کیا لیکن تکنیک اور کہانی کی بنت Craft)) میں رسوا زولا سے آگے نظر آتے ہیں۔ دونوں ناول سوانح کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ مگر "امراؤ جان ادا" میں رسوا کی بذات خود موجودگی کہانی کے بہاؤ اور روانی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ "ناناں" میں ضمنی کردار کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں جبکہ "امراؤ جان ادا" میں رسوا بطور کردار یہ کام خود کرتے ہیں۔ دونوں ناولوں

میں کمال اختصار اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔ اتنے وسیع موضوع کو ناول نگاروں نے کامیاب مرقع کشی، سراپا نگاری اور جزئیات نگاری سے سمیٹا ہے۔ جذبات نگاری اور بے ساختگی دونوں میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔فنی پختگی کا تاثر جو ابتدا میں محسوس ہوتا ہے آخر تک برقرار رہتا ہے۔

اس تنقیدی تقابل کا مطلق مقصود یہ نہیں کہ کسی ایک ناول کو دوسرے سے بہتر و برتر قرار دیا جائے ہاں یہ محض ایک علمی بحث تھی۔لیکن یہ مقصد ضرور تھا کہ نوآبادیاتی نظریات کے جواب میں برصغیر کی تہذیب کی شان وشوکت، اس کی زرخیزی (علمی و ادبی اعتبار سے)اردو کی بطور زبان وسیع دامنی اور ان دونوں کے امین اور ان کا فنی اظہار کرنے والوں کو داد ضرور دی جائے۔جنھوں نے مہذب اور روشن خیال قوم کے مقابلے میں ایک خطے کی تہذیب جسے فرسودہ، بانجھ اور غیر مہذب سمجھا گیا تھا۔اس کا صرف ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جو کسی بھی اعتبار سے عالمی معیار کے ادب سے کم نہیں اور اس تقابل سے ایک اور بات بھی واضح ہوئی کہ امراؤ جان ادا کسی دوسری تہذیب بلکہ مہذب تہذیب کے عناصر کے انجذاب اور اشتراک کے بغیر بھی ایک بڑی تخلیق ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ محمد زکریا۔ رسوا کی ناول نگاری، مشمولہ، امراؤ جان ادا، ہادی رسوا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2005۔ص 11

۲۔ مرزا ہادی رسوا، امراؤ جان ادا، لاہور، ص99

۳۔ ایضاً، ص 107

۴۔ امیل زولا، ناناں، مترجم، بشیر چشتی، لاہور، فکشن ہاؤس، 2000ء، ص 32

۵۔ ایضاً، ص28

۶۔ ایضاً، ص42

۷۔ ایضاً، ص51

۸۔ ایضاً، ص230

۹۔ ایضاً، ص273